

تاریخ فلسفہ میں

شیخ بو علی سینا کا مقام

پہلی قسط میں فلسفہ کا تاریخی پس منظر اور شیخ ابن سینا کے سوانح حیات اور ان کی تصانیف کا ذکر ہے۔ شیخ کی عبقریت کے عوامل خمسہ کے ضمن میں سب سے پہلے اس کے خاندانی ماحول کو بیان کیا گیا ہے۔ شیخ ایک اسماعیلی المذہب خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس طرح بچپن سے انہیں فلسفیانہ فضا میسر آئی۔

بیہقی "تمتہ صوان الحکمتہ" میں لکھتا ہے: وہ اور اس کا باپ رسائل اخوان الصفا کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اور اس کے مضامین پر غور و فکر کیا کرتا تھا۔ اور شیخ بھی کبھی کبھی اس میں غور و فکر کیا کرتا تھا۔ لیکن یہ ہونہار بچہ جو آگے چل کر ایک دیرپا فلسفی نظام کی تدوین کرنے والا تھا، کورانہ تقلید پر کسی طرح خود کو راضی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ان کے مذاکرات سنتا تھا اور جو کچھ بحث و مباحثہ ان میں ہوتا، اسے سمجھتا تھا۔ ساتھ ساتھ خود "رسائل اخوان الصفا" کا مطالعہ کرتا تھا۔ مگر باپ اور بھائی کی دعوت اور تلقین کے باوجود رسمی (اسماعیلی) مذہب کے قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ باایں ہمہ بچپن کے ان فکری نقوش نے اس کے ذہن پر گہرے اور دیرپا اثرات چھوڑے، جنہوں نے اس کے مخصوص فلسفیانہ نظام کے لئے اساس و بنیاد کا کام دیا۔ حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

"اور ابن سینا نے اہیات و نبات اور معاد و شراعی کے بارے میں کچھ کتابیں لکھی ہیں جن کے اندر اس کے پیش روؤں (یونانی فلاسفہ) نے کوئی کلام نہیں کیا تھا۔ اور نہ ان تک ان کی عقل کی رسائی ہوئی تھی، نہ ان کا علم وہاں تک پہنچا تھا۔ ابن سینا نے ان نئے مسائل کو مسلمانوں سے اخذ کیا تھا۔ اگرچہ یہ تعلیمات اس نے ان ملاحذہ سے اخذ کی تھیں، جو اسلام کی طرف منسوب ہیں جیسے فرقہ اسماعیلیہ اس

کے خاندان والے ان کے اہل دعوت اور حاکم بامر اللہ اسماعیلی کے پیروں میں سے تھے، ۶۵
بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ بچپن کے انہیں تعلیمی نقوش نے اسے سحر و تمہر حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ ابن تیمیہ
نے دوسرے مقام پر لکھا ہے :-

”ابن سینا نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ اس کے گھر والے یعنی اس کا باپ اور بھائی انہیں بدین
ملاحظہ سے تعلق رکھتے تھے اور یہ کہ وہ صرف اسی وجہ سے فلسفہ میں مشغول ہوا۔“ ۶۶
بہر حال ابن سینا انہیں خاندانی معتقدات کی بنا پر ایک مستقل فلسفی نظام کی تشکیل کے قابل ہوا
جو اس کے پیشرووں (بالخصوص ارسطو) سے اپنی ثروت و ندرت دونوں میں ممتاز ہے۔ حافظ ابن
تیمیہ نے لکھا ہے :-

”اور چونکہ ابن سینا نے مسلمانوں کے مذہب سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ اور جو کچھ اس نے حاصل کیا
ملاحظہ سے اور ان لوگوں سے جو ان سے بہتر ہیں جیسے معتزلہ اور رافضہ، حاصل کیا تھا۔ اس نے ارادہ
کیا کہ جو کچھ اس نے اپنی عقل کی مدد سے ان ملاحظہ وغیرہ سے سیکھا ہے اور جو کچھ اس نے اپنے پیش روؤں
یونانی فلاسفہ سے اخذ کیا تھا، دونوں کو آپس میں تطبیق دے۔ پس اس نے فلسفہ کے اندر ایسے مسائل میں
کلام کیا جو اس کے پیش روؤں کے کلام سے نیز اس کلام سے جسے اس نے اختراع کیا تھا، مرکب ہیں۔ جیسے
نبوت اور اسرار آیات و مقامات (عارفین و مرتاضین کے ریاضت و مجاہدہ اور ان کے کشف و کرامات
وغیرہ) میں کلام۔ یہی نہیں بلکہ طبیعیات اور منطقیات میں بھی اس نے نئے مسائل کا اختراع کیا۔ نیز
واجب الوجود اور اس جیسے دیگر مسائل میں بھی نئے انداز سے کلام کیا۔ ورنہ ارسطو اور اس کے متبعین
کے یہاں نہ تو واجب الوجود کا ذکر ہے اور نہ ان احکام کا جو واجب الوجود کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں۔
فلاسفہ متقدمین تو صرف علت اولیٰ ہی کا ذکر کرتے ہیں“ (الرد علی المنطقیین صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

۲۔ فقہی جدلیات

دس سال کی عمر میں شیخ نے قرآن مجید کو ختم کیا اور اصول ادب سے بھی فی الجملہ آشنا ہوئے۔ بہم پہنچان
ابھی اس نے فلسفہ و حکمت کی باقاعدہ تعلیم شروع نہیں کی تھی کہ فقہ کی تحصیل کے لئے شہر کے ایک

مشہور فقیہہ اسماعیل الزاہد کے یہاں جانا شروع کیا۔ اس زمانہ میں فقہ اور متعلقہ علوم مثلاً خلائیات و جدیدیات کو علمی و درباری حلقوں میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس کا فطری نتیجہ تھا کہ فقہ کو تعلیمی نصاب میں خاص مقام حاصل ہو۔

بہر حال فقیہات میں دست گاہ عالی حاصل کرنے کی غرض سے شیخ نے فقہ اسماعیل الزاہد کے یہاں جانا شروع کیا۔ یہی لکھتا ہے:-

”شیخ بوعلی سینا اسمعیل زاہد کے پاس فقہ پڑھنے جایا کرتا تھا اور وہاں خلائیات کے مسائل حاصل کرتا تھا۔ نیز مناظرہ کیا کرتا تھا۔“

خود شیخ کہتا ہے کہ منطق و حکمت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے (جو ابو عبد اللہ النائی کے بخارا نے پر شروع ہوئی) میں نے اسماعیل زاہد کے یہاں فقہ اور متعلقہ علوم کی تحصیل کے لئے جانا شروع کر لیا تھا۔ ”النائی کے بخارا آنے سے پہلے میں فقہ کی تحصیل میں مصروف تھا اور اس فن کے لئے اسماعیل زاہد کے یہاں جایا کرتا تھا اور میں اس فن کے بہترین سوال کرنے والوں میں سے تھا۔ میں نے مطالعہ نیز مجیب (فرقی مقابل) پر اعتراض کرنے کے طریقے جیسا کہ اس فن کے ماہرین کی عادت ہوتی ہے، سیکھ لئے تھے۔“

غرض شیخ کی عمق پرستی کو جس چیز نے جلاد دی، وہ اسماعیل الزاہد کا تلمذ تھا۔ ابھی اس نے منطق کی پہلی کتاب بھی نہیں پڑھی تھی کہ ان کے فیض تلمذ نے اسے منطقی و معقول بنا دیا۔ منطق کی پہلی کتاب ایسا غویب ”اس نے النائی کے بخارا آنے پر شروع کی اور جب ”جنس“ کی تعریف میں پڑھا کہ ”الجنس هو المقول علی کثیرین مختلفین بالنوع فی جواب ما هو“

۷۷۰ء چنانچہ بشاری مقدسی جس نے اسی زمانہ میں بخارا اور ماوراء النہر کے دوسرے شہروں کی سیاحت کی تھی سامانی حکمرانوں کے بارے میں لکھتا ہے (احسن التقاسیم صفحہ ۳۲۹) ”بخارا کے حکمرانوں کا طریقہ ہے کہ وہ علماء سے زمین بوسی نہیں کرتے۔۔۔۔ اور بخارا میں جو شخص سب سے زیادہ فقہ کا عالم ہوتا ہے، اسے منتخب کر کے اعلیٰ رتبہ دیتے ہیں، اسی کی رائے پر چلتے ہیں، اس کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں اور اسی کی سفارش پر لوگوں کو ملازمتیں دیتے ہیں۔“

۷۷۰ء تہ صوان الحکمة صفحہ ۴۰۔ ۶۹۔ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۱-۲۔
۷۷۰ء جنس وہ ہے جو مختلف انواع سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے ”ماہو“ کے جواب میں بولا جائے۔

تو شیخ نے اس تعریف پر وہ ایرادات کئے اور پھر اس خوبی سے انھیں دفع کیا کہ استاد بھی رنگ رہ گیا۔ اُسے یہ تحقیق و تدقیق کا ملکہ اس نے اسماعیل الزاہد ہی کے فیض تلمذ سے حاصل کیا تھا۔ اُن کے حلقہ درس میں فقہ خوانی سے شیخ کو "تفقه فی الدین" تو نصیب نہیں ہوا مگر جہلیات و مناظرہ میں جو دست گاہ عالی اس نے حاصل کی، اس نے اس میں غیر معمولی سرعت کے ساتھ علوم حکمیہ کے اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

۳۔ ابو عبد اللہ الناطلی کی شاگردی

اسی زمانہ میں ابو عبد اللہ الناطلی بخارا آیا۔ وہ ایک اسماعیلی داعی تھا۔ اس کے ساتھ علوم حکمیہ کا بھی بڑا ماہر تھا۔ اُسے چنانچہ بیہقی اس کے بارے میں لکھتا ہے :-

" ابو عبد اللہ الناطلی : حکیم اور عالم تھا اور اخلاق جمیلہ کے ساتھ منصف تھا۔ " ۳۴

اس نے (بیہقی نے) الناطلی کا ایک رسالہ حقیقت وجود کے موضوع پر بھی دیکھا تھا جس سے اس نے حکمت الہیہ میں اس کی مہارتِ کاملہ کا اندازہ لگایا تھا :-

" میں نے مباحث وجود اور اس کے مصداق کی شرح میں الناطلی کا ایک نفیس رسالہ دیکھا ہے۔ یہ رسالہ اس بلت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس فن میں بڑا صاحب کمال تھا اور علم الہیات میں اتمہائے کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ " ۳۵

شیخ کے باپ نے کچھ تو ہم مذہب ہونے کے رشتہ اور کچھ بیٹے کی تعلیم کی خاطر اسے اپنے ہی یہاں مہمان رکھا۔ شیخ نے پہلے اس سے منطق میں "الیاعنوبی" شروع کی۔ پہلا ہی سبق پڑھانے کے بعد استاد نے شاگرد کے جوہر قابل ہونے کا اندازہ لگالیا اور شیخ کے باپ کو تاکید کی کہ علوم حکمیہ کی تحصیل کے علاوہ اسے اور کسی شغل میں نہ لگائے۔ شیخ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے :-

" اس نے میری علمیت پر بہت زیادہ تعجب کیا اور میرے والد کو اس بات سے منع کیا کہ وہ سوائے

۱۔ طبیعات الطباء لابن ابی اصبیحہ جلد دوم صفحہ ۳

۲۔ اگرچہ اس کا شاگرد (شیخ بوعلی سینا) اس سے مطمئن نہ ہو سکا۔

۳۔ تتمہ صوان المحکمہ صفحہ ۲۲

۴۔ " " " " صفحہ ۲۲

علم کے مجھے اور کسی مشغلہ میں نہ لگائیں۔“ ۷۵

ایسا عوجی ختم ہوئی اور شیخ نے اندازہ لگا لیا کہ استاد کی معلومات ظواہر فن تک محدود ہیں۔ دقائق فن کی اسے ہوا بھی نہیں لگی، کیونکہ استاد جن مسئلہ پر تقریر کرتا تھا، شیخ اس سے بہتر طور پر اس کا تصور کر لیتا تھا۔ لہذا مطولات منطق کو شیخ نے شروع کی مدد سے حل کیا اور اس طرح اس فن میں احکام و اتفاق بہم پہنچا یا۔ منطق کے بعد ریاضی کی نوبت آئی: پہلے اصول اقلیدس کو پڑھا۔ مگر پانچ چھ شکلوں کے بعد اس کا درس ختم کر دیا اور خود مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد ”معطیات“ (Data) اور ”محروطات“ (Conis) کی نوبت آئی۔ مگر الناقی نے کہہ دیا کہ انھیں خود حل کر جو سمجھ میں نہ آئے، مجھ سے پوچھ لو۔ شیخ کا خیال ہے کہ اس طرح الناقی خود مجھ سے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر میں ”المجسطی“ کی باری آئی۔ مگر الناقی نے مقالہ اولیٰ میں سے صرف مقدمات اور کچھ اشکال ہندسیہ پڑھائیں۔ باقی کتاب خود شیخ نے حل کی۔ شیخ کہتا ہے کہ الناقی کو ”المجسطی“ میں کوئی درک نہیں تھا اور وہ بہت سی شکلیں جانتا بھی نہیں تھا۔ تا آنکہ میں نے انہیں سمجھایا۔

لیکن طبیعیات و الہیات کی نوبت آنے سے پہلے ہی جماعتی مصالح کے پیش نظر الناقی بخارا چھوڑ کر جرجانیہ (خوارزم) چلا گیا۔ غرض الناقی سے شیخ نے صرف منطق اور ریاضیات ہی پڑھے۔ لیکن تعلیم بھی منطق میں ظواہر فن تک اور ریاضیات میں مبادی تک محدود تھی۔ بہر حال اس تعلیم کی دو نوعیتیں تھیں۔ الف: ظاہری طور پر الناقی اسے مروج رسوم کے مطابق منطق و ریاضی کی تعلیم دیتا تھا۔ (ب) خصوصی استاد ہونے کی حیثیت سے نیز اس کے باپ کا ہم مذہب ہونے کے رشتہ سے وہ اس رسمی تعلیم کے دوران میں اسماعیلی معتقدات کی بھی تلقین کرتا ہوگا۔

۴۴۔ مشائی فلسفہ کی شروع

الناقی کے جانے کے بعد شیخ نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہیں کیا، بلکہ خود ذاتی مطالعہ کے

۷۵ اخبار العلماء باخبار الحکماء لابن الغفلی صفحہ ۲۶۹

۷۶ طبقات الاطباء لابن ابی اصیو جلد ثانی صفحہ ۳

۷۷ سرگزشت ابن سینا مرتبہ میر نفیسی صفحہ ۲

ذریعے علوم حکمیہ کی تکمیل کی۔ اس خود آموزی کے دور کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-
 الف۔ رسمی تقلیدی تعلیم:-۔ النالی کے جانے کے بعد شیخ نے محض مشروح و فصوص کی مدد سے
 طبیعیات و الہیات کا مطالعہ شروع کیا اور اس ذاتی کاوش کے نتیجے میں علوم حکمیہ کے اسرار و دقائق
 اس پر منکشف ہونا شروع ہوئے۔ چنانچہ خود کہتا ہے:-

”اس کے بعد ابو عبد اللہ النالی مجھے چھوڑ کر کراچ (جرجانیہ خوارزم جو مامونیوں کا دار الحکومت تھا)
 کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے پر میں نے فلسفہ طبیعیات و الہیات کی کتابوں کو مشروح و فصوص کی مدد
 سے پڑھنا شروع کیا اور حقائق علمیہ کے دروازے میرے اوپر کھلنے لگے۔“ ۷۸
 اس کے ساتھ طب کی طرف بھی توجہ کی اور صرف کتابوں کی مدد سے قلیل ترین مدت میں یرم تہہ حاصل
 کر لیا کہ اس کی نو عمری کے باوجود فضلاء طب اس سے استفادہ کرنے آتے تھے۔

عرض شیخ کی عمر سولہ سال کی تھی کہ وہ تمام علوم رسمییہ کی تکمیل سے فارغ ہو گیا۔
 بے۔ تحقیقی مطالعہ اور اجتہاد:-۔ اس دور میں جو سولہ سال کی عمر سے ساڑھے سترہ سال کی عمر تک
 رہا، شیخ نے جو کچھ اب تک تقلیدی طور پر حاصل کیا تھا، اس پر مجتہدانہ نظر ڈالی، جس کی تفصیل
 وہ خود بتاتا ہے:-

”اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ پھر میں نے کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں ڈیڑھ سال تک شدید
 انہماک سے کام لیا اور میں نے منطق اور فلسفہ کے تمام فنون کی کتابوں کو پھر سے پڑھا۔ اس دوران میں نہ تو
 میں کسی شب رات بھر سویا اور نہ دن میں مطالعہ کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہوا۔ اور میرے پاس
 کاغذ کے تختے رکھے رہتے تھے بس جس دلیل کو بھی دیکھتا تھا، اس کے اندر جو قیاسی مقدمات ہوتے، انہیں
 اور ان کی ترتیب کو ثابت کرتا۔ نیز یہ دیکھتا کہ ان میں سے کن کن سے نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اور میں اس
 کے مقدمات کی شرائط کو ملحوظ رکھتا۔ یہاں تک کہ وہ مسئلہ میرے لئے حل ہو جاتا۔“ ۷۹

لیکن ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس فکری کاوش میں قیاس منطق کے مقدمات کے مابین حد اوسط ہاتھ نہ
 آتی اور شیخ مسئلہ کے حل سے عاجز ہو جاتا۔ اس وقت وہ اسے مبدء فیاض کی ہدایت و رہنمائی پر چھوڑ

دیتا اور سیدھا جامع مسجد میں جا کر نماز پڑھتا۔ پھر بارگاہِ ایزدی میں گڑ گڑا کر مسئلہ کے حل کے انکشاف کی دعا کرتا، یہاں تک کہ وہ مغلوق مقام اس پر نیکشف ہو جاتا، جیسا کہ اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے:-
 ”والذی کنت اتخیر فیہ من المسائل ولا ظفر فیہ بالحد الاوسط فی القیاس اتردد بسبب

ذک الی الجامع واصلی وابتصل الی مبدع الکل حتی نیفتح لی المغلوق منه ولسیہل المتعسر“ ۸۰
 (اور جن مسائل کے حل کے باب میں حیران ہوتا اور ان کے قیاس منطقی کی ترتیب کے لئے حد اوسط تک میری رسانی نہ ہو سکتی تو پھر اس کے واسطے میں جامع مسجد میں جا کر نماز پڑھتا اور باری تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا مانگتا، یہاں تک کہ میرے واسطے وہ مغلوق مقام صاف ہو جاتا اور مشکل آسان ہو جاتی۔)
 اس زمانہ میں اس کے اہناک کی کیفیت یہ تھی کہ اکثر سوتے میں بھی اس کا داغ انھیں معضلات وغوامض کی عقدہ کشائی میں مشغول رہتا، چنانچہ بہت سے مشکل مسائل خواب ہی میں حل ہوئے جیسا کہ وہ لکھتا ہے:-
 ”واتضح لی کثیر من المسائل فی النوم“ ۸۱

(اور میرے لئے بہت سے مسائل نیند ہی کی حالت میں واضح ہوئے۔)

غرض اس نے محض شروح و فصوص کی مدد سے ہی منطق و طبیعیات اور ریاضیات پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ بعد میں مزید اضافہ و اصلاح کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ ۸۲
 اسنوس تاریخ نے ان افاضل حکماء و فلاسفہ اور ان کی مصنفات کے نام محفوظ نہیں رکھے جن کی شروح و فصوص سے شیخ نے اس مطالعہ کے دوران میں فائدہ اٹھایا تھا۔ صرف ایک فاضل کا نام باقی رکھا ہے۔

۸۱ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

۸۰ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳

۸۲ سرگزشت ابن سینا صفحہ ۳۔ ”ولمازل كذلك حتی استحکم معی جمیع العلوم ووقف علیہا بحسب الامکان الانسانی۔ وکل ما علمتہ فی ذلك الوقت کما علمتہ الآن لما زود فیہ شیئاً الی الیوم حتی احکمت العلم المنطقی والطبیعی ثم الریاضی“ (اور میں اسی طرح سے کرتا رہا یہاں تک کہ تمام علوم میرے ذہن میں مستحکم ہو گئے اور جہاں تک انسانی طاقت کام دے سکتی ہے میں ان سے واقف ہو گیا۔ اور جو کچھ میں نے اس وقت سیکھا ایسا ہی ہے جیسا کہ ابھی سیکھا ہے، اس میں آج کے دن تک کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ میں نے منطق اور طبیعیات اور پھر ریاضیات کے علوم کو مستحکم کر لیا۔)

یہ ابونصر فارابی ہے، جس کی تصانیف سے شیخ نے ایک تلمیذ مستفید کی طرح استفادہ کیا تھا۔ چنانچہ ابوالحسن البہیقی نے فارابی کے تذکرے میں لکھا ہے:-

وكان بين وفاة ابى نصر وولادة ابى على ثلاثون سنة وكان ابو على تلميذاً للتصانيف^{۸۳}۔
 ابونصر فارابی کی وفات اور شیخ بوعلی سینا کی پیدائش کے درمیان تیس سال کی مدت تھی اور شیخ بوعلی سینا فارابی کی تصانیف کا شاگرد تھا۔

لیکن فارابی کی ان مصنفات کے نام بھی تاریخ نے محفوظ نہیں رکھے جن سے شیخ نے استفادہ کیا تھا۔ مرن ایک کتاب "اغراض کتاب مابعد الطبیعیہ" کا نام محفوظ رہ گیا ہے جس کی مدد سے شیخ نے ارسطو کی "مابعد الطبیعیات" (Metaphysics) کو حل کیا تھا، چنانچہ بہیقی نے لکھا ہے:-

"وقال ابو على اليت من معرفة غرض مابعد الطبيعة حتى ظفرت بكتاب لابي نصر في هذا المعنى فنشكرت الله تعالى على ذلك وصمت وتصدقت ما كان عندي"^{۸۴}

شیخ بوعلی سینا نے لکھا ہے کہ میں ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کے اغراض و مقاصد کے سمجھنے سے مایوس ہو گیا تھا۔ تاآنکہ مجھے اس موضوع پر ابونصر فارابی کی ایک کتاب مل گئی۔ پس میں نے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، روزہ رکھا اور جو کچھ میرے پاس تھا، سداقہ کیا۔

قصہ یہ ہے کہ ارسطو کی کتاب "مابعد الطبیعیات" (Metaphysics) کے اغلاق کا سب سے بڑا سبب اس کا خلط مبحث ہے۔ ارسطو نے مختلف مفکرین قدیم کے نظریات میں اپنے مذہب مختار کو خلط ملط کر دیا ہے، جس کی وجہ سے قارئین کو اس کے فہم مقصود میں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خواہ اس اغلاق کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے فارابی کے زمانہ تک فلاسفہ اسلام میں سے کسی نے باستانائے ثابت بن قرہ اس کتاب (مابعد الطبیعیات ارسطاطالیس) کی شروح و فصوص نہیں لکھی تھیں اور غالباً شیخ کو ثابت بن قرہ کی یہ شرح بھی دیکھنے کو نہیں ملی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اس فن میں درک حاصل کرنے سے مایوس ہو گیا تھا، تاآنکہ اتفاقاً اسے فارابی کی یہ تو صبی تمہید مل گئی اور اس سے کتاب پائی ہو گئی۔ چنانچہ خود اپنی

^{۸۳} تتمہ صوان الحکمتہ صفحہ ۱۶۔ فارابی نے ^{۳۳۹}ھ میں وفات پائی اور شیخ حسب تصریح بہیقی ^{۳۴۰}ھ

^{۸۴} تتمہ صوان الحکمتہ صفحہ ۱۶-۱۷

میں پیدا ہوا۔

خود نوشت سوانح عمری میں اس کی تفصیل بیان کرتا ہے :-

وانتهیت الى العلم الالہی وقرأت کتاب ما بعد الطبیعة فلما افهم ما فیہ والتبس علی غرض واضعه
حتی اعدت قرأتہ اربعین مرۃ و صار لی محفوظا وانا مع ذلك لا افہمہ ولا المقصود بہ الیست
من نفسی وقلت ہذا کتاب لا سبیل الی فہمہ . فحضرت یوماً وقت العصر فی الوراقین فتقدم دلال
بیدہ مجلد ینادی علیہ . فصر منہ علی . فزودتہ رد متبہم معتقد ان لا فائدۃ فی ہذا العلم .
فقال اشترا فصاحبہ محتاج الی تمنہ وھو س رخیص ابیعکہ بثلاثۃ درہم . فاشتريتہ . فاذا ھو
کتاب ابی نصر الفارابی فی اغراض کتاب ما بعد الطبیعة . فرجعت الی داری واسرعت قرأتہ . فانفتح
علی فی الوقت اغراض ذلک الکتاب ، لانہ کان قد صار لی محفوظاً علی ظہر القلب . ففرحت بذلك
وتصدقت فی الیوم الثانی لبشعی کثیر علی الفقراء شکراً لله تعالیٰ " ۱۵

پھر میں الہیات کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے (ارسطو کی) کتاب ما بعد الطبیعیات کو پڑھا۔ مگر میں اس کے
مضامین کو نہ سمجھ سکا اور اس کے مصنف کی غرض مجھ پر غیر واضح رہی۔ یہاں تک کہ میں نے اسے چالیس مرتبہ
پڑھا اور وہ مجھے حفظ ہو گئی۔ بائیں ہاتھ میں اسے سمجھ نہ سکا، نہ اس کے اغراض و مقاصد سے واقف ہو سکا اور
میرا جی اس سے مایوس ہو گیا۔ اور میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کے سمجھنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔
پھر میں ایک دن عصر کے وقت کتب فروشوں کے بازار میں جا نکلا۔ وہاں ایک دلال آگے بڑھا۔ اس کے
ہاتھ میں ایک کتاب تھی، جس پر آواز لگا رہا تھا۔ اس نے اسے میرے سامنے بھی پیش کیا مگر میں نے اسے بڑی
سختی سے ٹوٹا دیا یہ یقین کرتے ہوئے کہ اس علم میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مگر اس نے کہا: اسے خرید لیجئے کیونکہ
اس کے مالک کو اس کی قیمت کی ضرورت ہے اور یہ بہت سستی بھی ہے۔ میں اسے آپ کو تین درہم میں دے
دوں گا۔ پس میں نے اسے خرید لیا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو وہ کتاب ما بعد الطبیعیہ کے اغراض و مقاصد پر ابونصر
فارابی کی کتاب ہے۔ پس میں اپنے گھر لوٹا اور جلد جلد اسے پڑھا۔ پس فوراً ہی میرے ذہن پر اس کتاب کے
اغراض و مقاصد واضح ہو گئے کیونکہ کتاب تو مجھے حفظ تھی ہی۔ اس سے مجھے بہت زیادہ فرحت و خوشی
ہوئی اور اگلے دن اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر میں نے بہت کچھ فقیروں پر صدقہ کیا۔

علوم فلسفہ کے اندر کمال حاصل کرنے کے بعد شیخ نے فن طب کی طرف توجہ کی۔ چونکہ طبیعت بے انتہا
خاذا و دراک واقع ہوئی تھی۔ اس پر منطق و فلسفہ کی مہارت نے مختلف علوم و فنون کے مسائل سمجھنے کی
غیر معمولی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ یوں بھی طب کے کلیات اور اس کے مبادی مختلف فنون طبیعات پر موقوف
ہیں، جن کے اندر شیخ ید طولیٰ حاصل کر چکا تھا۔ اس لئے اسے اس فن میں دستگاہ عالی حاصل کرنے میں کوئی
وقت محسوس نہیں ہوئی اور اپنے پیشرو اطباء کی تصانیف کی مدرسے اس نے اس فن میں بہت جلد غیر معمولی
کمال حاصل کر لیا، جیسا کہ خود لکھتا ہے:-

”ثم رغبت في علم الطب وقرأت الكتب المصنفة فيه. وعلم الطب ليس هو من

العلوم الصعبة فلذلك برزت فيه في اقل مدّة“ ۸۶

(پھر میں علم طب کی طرف رغب ہو اور اس فن میں جو کتابیں تصنیف ہوئی تھیں، انہیں پڑھا۔ یوں بھی
علم طب مشکل علوم میں سے نہیں ہے (یا مجھے مشکل معلوم نہیں ہوا) لہذا میں نے بہت تھوڑے عرصہ میں
اس کے اندر کمال حاصل کر لیا)

یہی نہیں، بلکہ اس نے اس فن میں یہ کمال ہم پہنچا یا کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے فاضل اطباء بھی اس کے
سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے لگے چنانچہ آگے چل کر لکھتا ہے:-

”حتیٰ بدء فضلاء الاطباء يقرؤون عليّ علم الطب“ ۸۷

اور یہی کمال آگے چل کر شاہی دربار میں اس کے تقرب و باریابی کا سبب بنا۔ لیکن جہاں تک شاہی دربار
میں اس تقرب و باریابی سے شیخ کی قدر و منزلت میں اضافہ کا تعلق ہے، یہ چیز ہمارے نقطہ نظر سے قطعاً
غیر اہم اور ناقابل اعتناء ہے۔ خود شیخ کی عظیم شخصیت ان عارضی تشریفات سے بے نیاز تھی۔ ہاں اس
باریابی نے اس کی رسائی شاہی کتب خانہ تک کرا دی اور اس نے اس کی غیر معمولی عبقریت کی تکمیل کر دی۔
اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

بہر حال مشائی فلسفہ کی شروح و نصوص کے مطالعہ نے شیخ بوعلی سینا کی عبقریت کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیا۔

۵۔ بخارا کا سامانی کتب خانہ

آخری عامل جس نے شیخ کی عبقریت کی تکمیل کی، سامانی حکمرانوں کا سرکاری کتب خانہ تھا۔ یہ اپنی

نوعیت کی ایک ہی لائبریری تھی اور اس میں علم و حکمت کے عجیب و غریب نوادر جمع تھے جیسا کہ خود شیخ نے لکھا ہے۔
 وادخلت الی دار ذات بیوت کثیرۃ فی کل بیت من صدایق کتب منضدۃ بعضہا علی بعض فی بیت
 منہا کتب العربیۃ والشعر و فی آخر الفقه و كذلك فی کل بیت کتب علم مفرد۔ و ظالمت فہرست
 کتب الاوائل و طلبت ما احتجت الیہ و رأیت من الکتب ما لم یلقہ اسمہ الی کثیر من الناس و لم أکن
 رأیتہ قبل ذلک و لا رأیتہ البضاً من بعد“ ۵۸

(مجھے ایک عمارت میں داخل کیا گیا، جس میں متعدد دکرے تھے۔ ہر کمرے میں کتابوں کے صندوق ایک
 دوسرے پر دھرے ہوئے تھے۔ پس ان میں سے ایک کمرے میں عربی زبان اور اشعار کی کتابیں تھیں۔ اور
 دوسرے میں فقہ کی اور اسی طرح ہر کمرے میں ایک علم کی کتابیں تھیں۔ پس میں نے علو الاولیٰ (قدیم علم و
 حکمت کی کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کیا۔ اور جن کتابوں کی مجھے حاجت تھی انہیں طلب کیا۔ اور میں نے بہت
 سی ایسی کتابیں دیکھیں جن کا بہت سے لوگوں تک نام بھی نہیں پہنچا اور جنہیں نہ میں نے اس سے پہلے دیکھا
 اور نہ بعد ہی میں دیکھا)

اس عظیم الشان کتب خانہ تک رسائی بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بادشاہ وقت ہی کی اجازت سے داخلہ
 ہو سکتا تھا اور یہ اجازت شیخ نے اس کے علاج کے بعد حاصل کی تھی، جس کی طرف اور اشارہ کیا جا چکا ہے۔
 اوپر علم طب میں شیخ کے کمال حاصل کرنے کا ذکر ہو چکا ہے، یہاں تک کہ مشاہیر اطباء عہد بھی اس کے
 سامنے زانوئے تلمذتہ کرنا فخر سمجھتے تھے۔ پھر نظری معلومات کے ساتھ شیخ نے عملی علاج معالجہ کے ذریعہ
 فنی حذاقت بھی حاصل کر لی تھی، چنانچہ خود لکھتا ہے :-

”و تعهدت المرضی فانفتح علی من باب المعالجة المقتسبة من التجربة ما لا یوصف“ ۵۹

(اور میں نے مریضوں کی تیمارداری کی۔ اس کے نتیجے میں علاج معالجہ کے بہت سے ایسے تجربات میرے
 اوپر واضح ہو گئے جن کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔)
 یہاں تک کہ اس کی حذاقت کی شہرت شاہی دربار تک پہنچ گئی۔

اس زمانہ میں بخارا کے تخت پر امیر نوح بن منصور ٹھکان تھا۔ اتفاق سے وہ ایک مرض صعب میں

گرفزار ہو گیا جس کے علاج سے اطباء نے دربار عاجز تھے۔ اس وقت تک شیخ طبیب کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اطباء نے دربار نے امیر کو شیخ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح اسے دربار میں باریابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد دیگر اطباء کے ساتھ مل کر وہ امیر کے معالج میں مصروف ہوا۔ امیر بھی اس کے علم اور خدات سے بے حد متاثر ہوا اور اسے تقرب شاہی کے ساتھ نوازا۔

لیکن شیخ نے دنیوی اعزاز و اکرام کے بجائے امیر سے شاہی کتب خانہ میں داخلگی اور اس سے استفادہ کی اجازت مانگی جو اس کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں جلد ہی عنایت ہو گئی۔ چنانچہ وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتا ہے :- "والفق سلطان الوقت بنجارا وهو نوح بن منصور، مرض تخیر فیہ الاطباء وقد كان اشتهر اسمی بینہم بالتوفر علی العلم والقرآۃ۔ فاجروا ذکر یری بین یدیہ وسألوا احضاری لخدمت وشارکتہم فی مداواتہ وتوسمت بخدمتہ وسألته یوماً الاذن فی الدخول الی دار کتبہم ومطالعتہا وقرآۃ ما فیہا فاذن لی۔" ۹

اتفاق سے اس وقت کا والی بخارا جس کا نام نوح بن منصور تھا ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا جس کے علاج سے اطباء حیران تھے۔ اس زمانہ میں میرا نام ان کے درمیان کثرت مطالعہ و کمال علمی کی بنا پر مشہور ہو چکا تھا۔ لہذا انھوں نے بادشاہ کے سامنے بھی میرا ذکر کیا اور اسے میرے بلانے کا مشورہ دیا۔ اس طرح میں بادشاہ کے یہاں پہنچا اور ان سب کے ساتھ اُس کے علاج میں شریک ہوا۔ اس طرح مجھے اس کی خدمت میں تقرب حاصل ہوا۔ ایک دن میں نے اس سے شاہی کتب خانہ میں داخلگی اور اس سے استفادہ کرنے اور وہاں کی کتابیں پڑھنے کی اجازت مانگی پس امیر نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔

شیخ نے اس موقع کو نعمت غیر مترقبہ جانا اور اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھی۔ چنانچہ خود آگے چل کر لکھتا ہے :-

فقرآت تلك الكتب وظفرت لبفوائدها وعرفت مرتبة كل رجل في علمه۔ ۹

(پس میں نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان کے فوائد سے بہرہ ور ہوا اور ہر مفکر کے مرتبہ علمی سے واقفیت حاصل کی) اس کتب خانہ میں یوں تو جملہ علوم و فنون کے نوادر جمع تھے مگر شیخ نے خصوصیت سے "علم الاوائل" (قدیم فلسفہ و حکمت) ہی کی کتابوں کی حوشہ چینی کی جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے :-

”فطالغ من جملہما فہرست کتب الاوائل وطلب ما احتاج الیہا۔“ ۹۲

(پس شیخ نے ان میں سے علوم الاوائل کی کتابوں کی فہرست کا مطالعہ کیا اور جن کتابوں کی اسے ضرورت تھی، انہیں طلب کیا۔)

یہی نہیں بلکہ اس کے حرفیوں کا تو یہ خیال تھا کہ بہت سے ایسے نظریات جو شیخ کے ابتکار فکر کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں، انہیں علوم الاوائل کی کتابوں سے ماخوذ تھے، کیونکہ جن زمانہ میں شیخ اس کتب خانہ سے استفادہ کر رہا تھا، اس میں آگ لگ گئی اور ساری کتابیں جل کر خاک سیاہ ہو گئیں۔ اس پر شیخ کے بعض حرفیوں نے کہا کہ شیخ نے خود اس کتب خانہ میں آگ لگائی ہے تاکہ وہ ان نظریات کو بلا خوف تردید اپنی جانب منسوب کر سکے۔ چنانچہ بیہقی لکھتا ہے :-

فالتفق احتراق لتلك الدار واحترقت الكتب باسرها۔ وقال بعض خصماء ابی علی انه احرق تلك الكتب ليضيف تلك العلوم والنفاثس الى نفسه وليقطع انساب تلك الفوائد عن اربابها۔ واللہ اعلم ۹۳

(پس اتفاق سے اس عمارت میں آگ لگ گئی اور ساری کتابیں جل گئیں۔ اور شیخ بوعلی کے بعض دشمنوں نے کہا کہ اسی نے ان کتابوں کو جلا یا ہے تاکہ ان علوم و نفاثس کو اپنی طرف منسوب کر سکے اور ان نکات و فوائد کی نسبت اصل مفکرین سے منقطع کر سکے۔ واللہ اعلم)

بیہقی کی اس عبارت نے معاملہ کو گونگو میں ڈال دیا ہے۔ فالتفق احتراق لتلك الدار سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کسی شخص نے قصداً نہیں لگائی، بلکہ صرف ایک اتفاق حادثہ کے طور پر ایسا ہوا تھا۔ اگر ایسا تھا تو شیخ پر کوئی الزام نہیں آتا مگر بیہقی نے شیخ کے دشمنوں کا قول نقل کر کے اسے بغیر تبصرہ کے رہنے دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ”واللہ اعلم“ کہہ کر قیاس آرائی کے لئے کافی گنجائش چھوڑ دی ہے۔

بہر کیف صورت حال جو کبھی رہی ہو، خواہ آگ اتفاقاً لگے۔ یہ شیخ نے قصداً لگائی ہو تاکہ بہت سے علوم و نفاثس کو جو مفکرین قدیم کی جگر کا دیوں کا نتیجہ تھے اپنی طرف منسوب کر سکے اور اپنے دعاوی کی تردید کے لئے کوئی تحریری ثبوت باقی نہ رہنے دے، مگر اتنا یقینی ہے کہ شیخ نے اس کتب خانہ سے بہت زیادہ استفادہ کیا تھا جیسا کہ خود اسے اعتراف ہے۔

”فخرت تلك الكتب وظهرت بقوائدها“ ۹۴

اور خواہ شیخ نے ان مفکرین قدیم کے انکار و نظریات کا سرقہ کیا ہو یا ان پر اصلاح و اضافہ کیا ہو، اتنا یقینی ہے کہ ان ”علوم و نقائس“ نے شیخ کی عمق پریت کی تکمیل کر دی، جس کا اس کے ناقدین کو بھی اعتراف ہے۔ اور غالباً انھیں ”علوم و نقائس“ پر اصلاح و اضافہ کی کوشش کی بدولت وہ معلم اول (ارسطو طالیس) سے بھی آگے بڑھ گیا جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے ”الرد علی المنطقیین“ میں لکھا ہے :-

”وابن سینا لما عرف شيئاً من دين المسلمين — وكان قد تلقى ما تلقاه عن الملاحدة و

عن هو خير منهم من المعتزلة والرافضة — اراد ان يجمع بين ما عرفه بحقيقته من هؤلاء

وبين ما اخذاه من سلفه — فكلّم في الفلسفة بكلام مركب من كلام سلفه ومما احدثه مثل كلامه

في النبوات واسرار الآيات والمقامات، بل وكلامه في بعض الطبيعيات والمنطقيات وكلامه في واجب

الوجود ونحو ذلك — والانسار سطو واتباعه ليس في كلامهم ذكر واجب الوجود ولا شيء من الاحكام

التي لواجب الوجود — وانما يذكرون العلة الاولى“ ۹۵

(اور چونکہ ابن سینا نے مسلمانوں کے مذہب سے بہت کچھ سیکھا تھا — اور جو کچھ اس نے حاصل کیا۔

ملاحدہ سے اور ان لوگوں سے جو ان سے بہتر ہیں، جیسے معتزلہ اور رافضہ، حاصل کیا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ

جو کچھ اس نے اپنی عقل کی مدد سے ان ملاحدہ وغیرہ سے سیکھا ہے اور جو کچھ اس نے اپنے پیش روؤں (یونانی

فلاسفہ) سے اخذ کیا تھا، دونوں کو آپس میں تطبیق دے۔ پس اس نے فلسفہ کے اندر ایسے مسائل میں کلام

کیا جو اس کے پیش روؤں کے کلام سے نیز اس کلام سے جسے اس نے اختراع کیا تھا، مرکب ہے؛ جیسے نبوات

اور اسرار آیات و مقامات و عارفین و مرثاضین کے ریاضت و مجاہدہ اور ان کے کشف و کرامات (وغیرہ) میں

کلام۔ یہی نہیں بلکہ طبیعیات اور منطقیات میں بھی اس نے نئے مسائل کا اختراع کیا۔ نیز واجب الوجود اور

اس جیسے دیگر مسائل میں بھی نئے انداز سے کلام کیا۔ ورنہ ارسطو اور اس کے متبعین کے یہاں نہ تو واجب الوجود

کا ذکر ہے اور نہ ان احکام کا جو واجب الوجود کے لئے ثابت کئے جاتے ہیں۔ فلاسفہ متقدمین تو صرف

۹۴ ”پس میں نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان کے نکات و فوائد سے فائدہ اٹھایا۔“

۹۵ سے الرد علی المنطقیین ص ۱۴۳-۱۴۴

علت اولیٰ ہی کا ذکر کرتے ہیں۔)

لیکن یہ سب کچھ شیخ کے ذاتی ابتکار فکر کا نتیجہ تھا یا اپنے پیشروؤں کی خوشنہ چینی کا ہا اس سلسلے میں غالباً دوسری شق ہی زیادہ صحیح ہے اور اس کی تائید حافظ ابن تیمیہ کے دوسرے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :- "وابن سینا تکلم فی اشیاء من الالہیات والنبوات والمعاد والشرائع لم یتکلم فیہا سفہ ولا وصلت الیہا عقولہم ولا بلغتہا علومہم فانہ استفادہا من المسلمین وانما اخذ عن

الملاحدة المنتسبین الی المسلمین کالاسماعیلیۃ۔" ۹۶

اور ابن سینا نے الہیات ونبوات اور معاد وشرائع کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہیں، جن کے اندر اس کے پیش روؤں (یونانی فلاسفہ) نے کوئی کلام نہیں کیا تھا اور نہ ان تک ان کی عقل کی رسائی ہوئی تھی اور نہ ان کا علم وہاں تک پہنچا تھا۔ ابن سینا نے ان نئے مسائل کو مسلمانوں سے اخذ کیا تھا، اگرچہ اس نے یہ تعلیمات ان ملاحدہ سے حاصل کی تھیں جو اسلام کی طرف منسوب ہیں جیسے کہ فرقر اسماعیلیہ۔

ان غیر راسخ العقیدہ مسلمان مفکرین نے اپنے بہت سے مخصوص اقوال غالباً اموی عہد کے ایرانی الاصل طبقہ کتب سے اخذ کئے تھے اور انھوں نے فرضی یونانی حکماء کی مترجمہ پہلوی کتابوں سے، جیسا کہ صدرائے شیرازی نے "الاسفار الاربعہ" میں شہاب الدین مقبول سے نقل کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان قدیم فرضی یونانی حکماء کی مترجمہ پہلوی کتابوں کی اصل یا عربی تراجم بخارا کے سامانی کتب خانہ میں ہوں اور شیخ نے ان سے براہ راست استفادہ کیا ہو۔

پھر شیخ کے بہت سے اقوال جو اس کے ابتکار فکر کا نتیجہ سمجھے جاتے ہیں اور جن کے اندر وہ مفکرین اسلام کے درمیان منفرد ہے "اہل مشرق" سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً وہ اجرام سماویہ کی الوہیت کا قائل تھا، جو اہل مشرق کا انفرادی اور مخصوص مسلک سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ابن رشد نے "تہافت التہافت" میں لکھا ہے :-

"ارسطو نے مبدع اول کو بطریق حرکت ثابت کیا تھا۔ لیکن شیخ نے اور اس کی تقلید میں اس کے مستبعین

نے اس استدلال کی تضعیف کی اور اس کے مقابلے میں دوسرا انداز استدلال پیش کیا، جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہ قدامت فلاسفہ کے مقابلے میں بہتر ہے۔ قدامت نے حرکت و زمان کے ذریعہ اس کا ثبوت دیا تھا۔۔۔۔۔ لیکن اہل مشرق اجرام سماویہ کی الوہیت کے قائل تھے اور یہی شیخ کا مذہب تھا۔“

ظاہر ہے حکماء مشرق (اہل مشرق) سے شیخ کو براہ راست شفا ہا استفادہ کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ان منفرد اور مخصوص افادات سے وہ اس کتب خانہ ہی کے ذریعہ واقف ہوا۔ اسی طرح شیخ نے اپنی طبعیاتی تفکیر کی بنیاد ”جزء الذی لایتجزی“ کے ابطال پر رکھی ہے۔ اس کے بعد اسی ”ابطال جزء الذی لایتجزی“ کی مدد سے اس نے ”ہیولی صورت“ کی ارسطاطالیسی ثنویت ان کے باہمی تلازم اور آخر میں اثبات و قدم ہیولی“ کی تائید کی ہے۔ یہ انداز فکر ارسطو کے یہاں نہیں ملتا، نہ اس کے یونانی و سریانی شُرُوح کے یہاں اور نہ اس کے (شیخ کے) پیروں و حکماء اسلام فارابی وغیرہ کے یہاں۔ اس لئے بظاہر یہ شیخ کی عمیق فہم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ ”جزء لایتجزی“ کا یہ تصور اور اُس کے اثبات کا یہ انداز استدلال قدیم ہندو فلسفہ میں اسی شکل کے اندر ملتا ہے۔ اس ہندو فلسفہ کے متعلق کسی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اسلامی فکر سے متاثر ہوا یا ہندو فلاسفہ کے یہ اقوال شیخ یا شیخ کے متبعین سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ انداز استدلال اسلام سے پہلے کے بدھ اور جین فلسفیوں کے یہاں پایا جاتا ہے اور دونوں میں ہندو انداز فکر اور ابن سینائی انداز استدلال میں غیر معمولی مماثلت ہے۔ یہ بات تو کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتی کہ شیخ نے ان ہندو فلسفیوں کے شاگردوں سے یا ان کے متبعین سے استفادہ کیا ہو، یا ان کی اصل مصنفات کا مطالعہ کیا ہو۔ ہاں اس غیر معمولی مماثلت کے پیش نظر اس بات کے باور کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ قدیم ہندو فلسفہ کی ان کتابوں کے یا تو عربی تراجم موجود تھے۔ یا پھر لغت اسلام سے قبل (ساسانی عہد) کے ایرانی مفکرین ان سے متاثر ہوئے تھے اور اس انداز فکر کے اثرات بعد کے مفکرین نے وراثت میں پائے تھے مگر یونانی فلسفہ اور ارسطاطالیسی۔ نو افلاطونی انداز تفکیر کی مقبولیت کے پیش نظر ان ہندو فلسفہ کے اثرات کو قبول عام نصیب نہیں ہو سکا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ مفکرین ان سے استفادہ ہونے رہے اور ان موخر الذکر مفکرین

۹۷ مثلاً ”واتسیانا مہاشیا“ اور اس کی شرح ”نیایا وارثکا“ مصنفہ ادوتوکر“ میں (مذہب الذرة عند المسلمین

صفحہ ۱۰۷) یہ کتاب پانچویں چھٹی صدی مسیحی کی تصنیف ہے یعنی لغت اسلام سے پہلے کی۔

کی تصانیف شیخ کے مطالعہ میں آئیں۔^{۹۱}

ظاہر ہے اس فکری سرمایہ سے (جو آتہائی نادر اور عزیز الوجود تھا) استفادہ کا شیخ کو بخارا کے سامانی کتب خانہ ہی میں موقع ملا ہوگا۔

اس لئے کمال اعتماد سے کہا جاسکتا ہے کہ شیخ کی عبقریت کی تکمیل بخارا کے سامانی کتب خانہ سے ہوئی اور وہ خود اس کا معترف تھا:-

” فخر آت تلك الكتب وظفرت بفضائدها“

^{۹۱} شائد اسی ہندو فلسفہ کی (جو ایک مشرق کی ایک قوم تھئی) خوشہ چینی کی وجہ سے اس پر جو مخصوص فلسفہ مرتب ہوا تھا، شیخ اسے ”فلسفہ مشرقیہ“ کے نام سے موسوم کرتا تھا اور ممکن ہے ابن رشد کے حسب ذیل قول سے ”قالوا دانتا سماها فلسفة مشرقية لانها مذهب اهل المشرق“ اسی جانب اشارہ ہے۔ پھر ”اجرام ساویہ کی الوہیت“ ہندو مفکرین کا قول ہے اور حسب تصریح ابن رشد یہی شیخ کا مذہب تھا۔

^{۹۹} چنانچہ خود شیخ ان کی ندرت اور کمیابی کے بارے میں لکھتا ہے:-

”ورایت من الکتب ما لم یقع اسمہ الی کثیر من الناس ولم اکن رأیتہ قبل ذلک ولا رأیتہ ایضاً من بعد“

تے پس میں نے ان کتابوں کو پڑھا اور ان کے فوائد سے بہرہ ور ہوا“ (سرگزشت ابن سینا مرتب سعید نفیسی صفحہ ۴۴)